مثنوی کی تعریف :

مثنوی کے لغوی معنی دو - دو کے ہیں مثنوی ایک ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں شاعر کسی کہانی کو یا کسی داستان کو شعری انداز میں بیان کرتا ہے۔ اگر کوئی کہانی کہانی ایسی ہوئی جس میں کسی جنگ یا پھر کسی لڑائی میں داستان لکھی جائی ایسی مثنوی کو رزمیہ مثنوی کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر کسی مثنوی میں لڑائی اور جنگ کو چھوڑ کر کسی عشق و محبت کی داستان لکھی جائے گی تو اُسے رزمیہ مثنوی کہتے ہیں۔ باقی اردو اصناف کی طرح مثنوی کی شروعات بھی ایران میں فارسی ادب میں ہوئی۔ فارسی ادب سے ہی مثنوی اردو ادب میں آئی اور ہندوستان میں مثنوی کی شروعات دکن سے ہوئی قطب شاہی دور میں بہت ساری مثنوائیاں لکھی گئیں ان میں سے ایک مشہور مثنوی ہے قطب مشتری اس مثنوی کو ملا وجہی نے لکھا تھا۔ اس مثنوی کو لکھنے کی خواہش اس وقت کے مشہور بادشاہ قلی قطب شاہ نے کی تھی۔ اس مثنوی میں ملا وجہی نے قلی قطب شاہ اور مشتری کے عشق کی داستان لکھی ہے۔ مثنوی کے مشہور شاعر ملا وجہی، غواصی، ملک خشنود، ابن نشاطی وجہی وغیرہ تھے۔ اس کے علاوہ میر حسن نے مثنوی "سحر البیان" لکھ کر بہت شہرت حاصل کی اور دیا شنکر نسیم نے مثنوی گلزار نسیم لکھ کر اپنا نام روشن کیا۔ جن مثنوائیوں میں مافوق الفطرت عناصر یعنی ایسے قصے یا کہانیاں کو جو صرف خیالی ہوں۔ ایسی مثنوائیوں کو داستانوی ~~مثنویاں~~

مثنوی اسے کہا جاتا ہے۔ اردو کی پہلی نظامی نے لکھی تھی اور اس مثنوی کا نام ہے کدم راؤ پدم راؤ۔ مثنوی کے اجزائے ترکیبی مندرجہ ذیل ہیں۔

① حمد ② نعت ③ تعریف شعر و سخن
④ مدح فرمانروائے وقت ⑤ اصل موضوع یا بیانیہ ⑥ خاتمہ

اس کے علاوہ مثنوی کے ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور مثنوی میں اشعار کی کوئی قید نہیں ہوتی مثنوی میں بہت ہی طویل نظم ہوتی ہیں اور یہ ضروری نہیں ہے کہ مثنوی میں سارے اشعار ہم قافیہ ہوتے ہیں لیکن سارے اشعار ایک ہی بحر میں ضرور ہوتے ہیں۔

مثنوی سحر البیان :- ②

خلاصہ :-

مثنوی "سحر البیان" میر حسن نے لکھی تھی۔ اس مثنوی میں بے نظیر اور بدر منیر کے عشق کی داستان ہے۔ اور اس مثنوی کے آغاز میں میر حسن نے کسی ملک کے بادشاہ کی کہانی بیان کی ہے۔ جو ایک بہت ہی مشہور و معروف بادشاہ ہے اس کے پاس بہت دولت اور مال ہے۔ یعنی وہ بہت ہی عیش و عشرت کی زندگی گزارتا ہے۔ لیکن اس کے دل میں ایک ہی غم ہے کہ اس کے گھر میں کوئی اولاد نہیں ہے اور اس کی زندگی میں ایک افسوس کا اندھیرا ہے کیونکہ اس کے گھر کا کوئی چراغ نہیں جو اس کی زندگی کو روشن کرے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے تخت پر بیٹھے۔ ایک دن دکھی ہو کر اس نے اپنے وزیروں کو بولایا اور کہا کہ میں فقیری کی زندگی اختیار کرنے لگا ہوں۔ کیونکہ میرا کوئی وارث نہیں ہے۔ تو میں اس مال و دولت کو کیا کروں گا۔ تب وزیروں نے بادشاہ کو سمجھایا کہ آپ حکومت بھی کرو اور خدا کی عبادت بھی کرو اور غریب لوگوں کی مدد بھی کرو تاکہ مرنے کے بعد دوسرے جہاں میں آپ خالی ہاتھ نہ جاؤ۔ رہی بات بیٹے کی تو ہم اس کا علاج بھی سوچتے ہیں۔ پھر وزیروں نے خط لکھ کر نجومی اور پنڈت وغیرہ کو بولایا اور بادشاہ کا حساب کتاب دیکھنے کو کہا۔ پھر نجومیوں نے ستاروں کے علم کے ذریعے دیکھا کہ بادشاہ کے گھر میں بیٹا ہونے کی امید ہے۔ اور تیرہ سال

نے بھی اپنی کتاب دیکھی اور یہی بات کہی پھر پنڈت
نے بھی اپنا حساب کتاب لگایا اور کہا کہ بھگوان رام کی کرپا
سے آپ کو ایک چاند سا بیٹا ہوگا۔ راجہ یہ بات سن کر
سب لوگوں کے چہرے خوشی سے کھل گائے۔ اور پورا
دربار خوشی سے جھومنے لگا۔

۶

مرثیے کی تعریف اور آغاز و ارتقا

مرثیہ عربی زبان کے لفظ رثا سے نکلا ہے۔ رثا کا مطلب ہوتا ہے بین کرنا رونا یا پیٹنا۔ مرثیہ اس نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی مرنے والے کی خوبیاں بیان کرکے اس کی موت پر افسوس کیا جاتا ہے۔ خاص طور پر جو مرثیے لکھے جاتے ہیں وہ امام حسینؓ کی شہادت پر لکھے جاتے ہیں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام حسینؓ کے لئے ہی کیوں زیادہ مرثیے لکھے جاتے ہیں اور ان کی ہی شہادت کیوں مشہور ہوئی؟ دراصل ہمارے پیارے نبی حضرت محمدؐ نے جو دین اسلام پھیلایا تھا۔ اس کو ختم کرنے کی کوشش ایک ظالم بادشاہ جس کا نام یزید تھا۔ اس نے اسلام کو مٹانے کی سازش کی تب ہمارے پیارے نبی کے نواسے اور حضرت علیؓ کے بیٹے جن کا نام امام حسین تھا۔ انہوں نے یزید کی سخت مخالفت کی۔ اس لئے یزید نے امام حسن اور ان کے خاندان والوں کو شہید کروادیا۔ یہاں تک کہ چھ ماہ کے بچے علی اصغر کو بھی بھوکا اور پیاسا شہید کر دیا۔ اس طرح امام حسین نے اپنی قربانی دیکر کربلا کے میدان میں اپنے نانا کے دین اسلام کو بچالیا۔ اس لئے ان کے لئے اور ان کے غم میں مرثیے لکھے جاتے ہیں اور نوحہ خوانی ہوتی ہے

میر ضمیر نے مرثیے کے اجزائے ترکیبی بنائے ہیں

① **چہرہ** :- یہ مرثیے کا ابتدائی حصہ ہوتا ہے۔ اس میں شاعر تمہید کے طور پر ایسے مضامین لکھتا ہے جس کا براہِ راست تعلق مرثیے کے ہیرو کے ساتھ نہیں ہوتا۔

② **سراپا** :- اس میں شاعر مرثیے کے ہیرو کے قد کاٹھ کا نقشہ، اس کی شجاعت اور بہادری اور نیک خوبیاں بیان کرتا ہے۔

③ **رخصت** :- اس میں شاعر اس وقت کو بیان کرتا ہے جب مرثیے کا ہیرو اپنے خاندان والوں سے اجازت لے کر میدانِ جنگ کی طرف جاتا ہے۔ تب اس کی ماں اور بہنیں وغیرہ بہت دکھی ہوتی ہیں اور روتی ہیں۔

④ **آمد** :- اس میں شاعر اس وقت کو بیان کرتا ہے جب ہیرو میدانِ جنگ میں آتا ہے۔

⑤ **رجز** :- اس میں ہیرو اپنے مخالفین کو اپنے خاندان کے بارے میں اور اپنی بہادری کے بارے میں بتاتا ہے۔

⑥ **جنگ** :- اس میں شاعر ہیرو کی جنگ کو بیان کرتا ہے کہ کیسے اس نے بہادری سے بڑے بڑے پہلوانوں کو کیسے قتل کر دیا۔

7) شہادت :- اس میں شاعر ہیرو کے زخمی ہونے اور شہید ہونے کا ذکر کرتا ہے۔

8) بین :- اس میں شاعر اس وقت کو بیان کرتا ہے کہ جب ہیرو شہید ہو جاتا ہے اور اس کے چاہنے والے اس کے لئے روتے ہیں

اردو میں مرثیے کی شروعات سولہویں صدی میں ہوئی اور پہلا مرثیہ نگار اشرف بیابانی کو کہا جاتا ہے جنہوں نے 1503ء میں "نوسرہار" لکھی تھی۔ شمالی ہند کا پہلا مرثیہ نگار روشن علی کو کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد سودا، میر، میر شیر علی افسوس وغیرہ نے بھی مرثیے لکھے۔ لیکن سب سے زیادہ مشہور میر انیس میر ضمیر اور میر خلیق وغیرہ ہوئے۔

مرثیہ:

جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے
جلوہ کیا سحر کے رخ بے حجاب نے
دیکھا سوئے فلک شہ گردوں رکاب نے
مڑ کر صدا رفیقوں کو دی اس جناب نے
آخر ہے رات حمد و ثنائے خدا کرو
اٹھو فریضہ سحری کو ادا کرو

بند:-01 تشریح:- یہ بند میر انیس کے مرثیے سے لیا گیا ہے اس میں شاعر کہتا ہے کہ جب امام حسینؑ کربلا کے میدان میں پہنچے اور ان کو دشمنوں نے گھیر لیا تو تب دس محرم کو جب صبح کا وقت ہونے والا تھا۔ اور سورج کی روشنی اندھیرے کو ختم کرنے نکلنے والی تھی اور سحر یعنی صبح کا وقت نمودار ہونے والا تھا۔ تب امام حسینؑ نے باہر آکر آسمان کی طرف دیکھا۔ اور پھر آپ نے دوستوں اور ساتھیوں کو آواز دی کہ سب لوگ جاگ جاؤ اور خدا کی عبادت کرو۔ کیونکہ کل ہم شہید ہو جائیں گے اس لئے ہمارے پاس خدا کی عبادت کرنے کے لئے یہ آخری رات ہے۔

غازی ← بہادر
جدال وقتال ← لڑائی، جنگ
سرخ ← لال
لال ← بیٹا

فراق ← جدائی

وصال ← ملنا

ملک ← فرشتہ

ہاں غازیو یہ دن ہے جدال و قتال کا
یاں خوں بہے گا آج محمد کی آل کا
چہرہ خوشی سے سرخ ہے زہرا کے لال کا
گزری شبِ فراق دن آیا وصال کا
ہم وہ ہیں غم کریں گے ملک جن کے واسطے
راتیں تڑپ کے کاٹی ہیں اس دن کے واسطے

یہ بند میر انیس کے مرثیے سے لیا گیا ہے اس بند میں میر انیس امام حسین کا ذکر کر رہے ہیں کہ جب وہ 10 محرم کو شہادت کے لئے اٹھے اس کے بعد انہوں نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی کہ بہادرو آج کا دن جنگ ظلم کے خلاف جنگ کا دن اور شہادت کا دن ہے یہاں آج کربلا میں محمد ﷺ کے خاندان کا خون بہے گا شہادت پانے کی خوشی میں زہرا کے لال یعنی امام حسین رضی کا چہرہ لال ہو رہا تھا انہوں نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ خدا سے اور اس کے نبی رضی سے جدائی کا وقت ختم ہونے والا ہے۔ آج وہ دن آ گیا ہے کہ شہادت کے بعد ہم

اور ہم وہ لوگ ہیں کہ جن کی شہادت پر انسان کا فرشتے بھی غم کریں گے اور روئیں گے اور ہم لوگوں نے تڑپ تڑپ کر راتیں کاٹی ہیں اس دن کو پانے کیلئے یعنی شہادت حاصل کرنے کے لئے۔

یہ صبح ہے وہ صبح مبارک ہے جس کی شام
یاں سے ہوا جو کوچ تو ہے خلد میں مقام
کوثر پہ آبرو سے پہنچ جائیں تشنہ کام
لکھے خدا نماز گزاروں میں سب کے نام
سب ہیں وحید عصر یہ غل چاروں سوں اٹھے
دنیا سے جو شہید اٹھے سرخ رو اٹھے

کوچ کرنا = ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا

خلد = جنت

کوثر = جنت کے پانی کا چشمہ

آبرو = عزت

تشنہ کام = پیاسا

وحید عصر = وقت کے سب سے عزت دار

گل = پھول

غل = شور

چار سوں = چاروں طرف

سرخ رو = کامیاب

یہ بند میر انیس کے مرثیے سے لیا گیا ہے۔
اس میں میر انیس لکھ رہے ہیں کہ امام حسینؓ نے اپنے ساتھیوں کو 10 محرم کی صبح مخاطب کیا اور کہا کہ یہ صبح وہ ہے جس کی شام بہت ہی مبارک اور خوبصورت ہونے والی ہے یعنی ہم شہید ہو کر شام کو اپنے خدا سے جا کے ملیں گے یہاں سے جو شہید ہو کر گئے تو ہمیشہ جنت میں ہیں اور ہم جو تین دن کے پیاسے ہیں شہید ہو کر جنت

کا پانی بھی آپ کو شان کے ساتھ اور عزت کے ساتھ پیش گے۔ اور سب کے نام پر نماز پڑھی جائیں گی اور چاروں طرف یہ شور اٹھے گا کہ یہ سب سارے کے سارے بہادر اور ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ اور دنیا سے جو شہید ہو کر جائے گا وہی کامیاب اور شان سے رہے جائے گا۔

پرسش کے بستروں سے اٹھے وہ خدا شناس
اک اک نے زیب جسم کیا فاخرہ لباس
شانے محاسنوں میں کیا سب نے بے ہراس
باندھے عمامے آئے امام زماں کے پاس
رنگین عبائیں دوش پہ کمریں کسے ہوئے
مشک و زباد عطر میں کپڑے بسے ہوئے

خدا شناس = خدا کو پہچاننے والے
زیب = سجانا
فاخرہ لباس = قیمتی لباس
شانے = بازو
محاسنوں = حسن
بے ہراس = بے خوف
عمامہ = سر کی ٹوپی
امام زماں = وقت کا امام
عبائیں = کاندھے پہ ڈالنے والی چادر
دوش = کاندھا

مشک = خوشبو

زباد = ایک قسم کی خوشبو

یہ بند میر انیس کے مرثیے سے لیا گیا ہے۔ اس میں شاعر کہہ رہا ہے کہ ۱۰ محرم کو امام حسینؑ کے ساتھی ان کی آواز کو سن کر صبح کے وقت خدا کی عبادت کے لئے اٹھے اس کے بعد انہوں نے اپنے جسم پر قیمتی اور خوبصورت کپڑے پہنے اور اپنے ہاتھوں میں ہتھیار لیے ہوئے سر پر عمامہ باندھے ہوئے اور بے خوف و ہراس اپنے وقت کا امام یعنی امام حسینؑ کے پاس رہے انہوں نے اپنے کاندھوں پہ چادریں ڈالی ہوئی تھی اور کمر پہ کمر بند خوبصورت انداز میں لگائے ہوئے تھے اور ان کے کپڑے عطر سے اور دوسری طرح کی خوشبو سے مہک رہے تھے

سوکھے لبوں پہ حمد الٰہی رخوں پہ نور
خوف و ہراس رنج و کدورت دلوں سے دور
فیاض حق شناس اولوالعزم ذی شعور
خوش فکر و بذلہ سنج و ہنرپرور و غیور
کانوں کو حسن صوت سے خط بر ملا ملے
باتوں میں وہ نمک کہ دلوں کو مزا ملے

رنج و کدورت - دکھ

فیاض - سخی، دریادل

اولوالعزم - پکے ارادے والا

ذی شعور - عقلمند

حق شناس - حق کو جاننے والا

بنزلہ بنج - پُر حکم

غیور - غیرت مند

حسن صوت - آواز کا حسن

خط بر ملا - مدبر

یہ بند میر انیس کے مرثیے سے لیا گیا ہے۔ اس میں میر انیس لکھ رہے ہیں کہ امام حسینؑ کے جتنے بھی ساتھی تھے وہ تین دن کے بھوکے اور پیاسے تھے اس وجہ سے ان کے ہونٹ سوکھے ہوئے تھے لیکن وہ اس حالت میں بھی اپنے رب کو یاد کر رہے تھے اس لئے ان کے چہرے پر ایک نور سا تھا اور ان کے دل میں نہ تو کسی قسم کا خوف یا ڈر تھا اور نہ ہی کسی سے نفرت تھی وہ بہت دریا دل اور عطا کرنے والے تھے اور اپنے خدا کو اور اس کے دین کو پہچاننے تھے اور خدا کے دین کو بچانے کا ارادہ ~~پکا~~ پکا تھا ان کی سوچ اور فکر بہت بڑی تھی۔ اور انکی بات کرنے کا طریقہ بہت ہی اچھا تھا اور وہ بہت ہنر مند، قابل اور غیرت مند تھے۔ جب وہ بات کرتے تھے تو انکی آواز اتنی خوبصورت تھی کہ کانوں کو ~~سکو~~ سکون

ملت تھا ۔ اور باتوں میں اتنا وزن تھا کہ سننے والے کے دل کو مزا آجاتا تھا ۔

ساونت ہیں و بردبار فلک مرتبت دلیر
عالی منش سبا میں سلیماں وغا میں شیر
گرداں دہر ان کی زبردستیوں سے زیر
فاقوں سے تین دن کے مگر زندگی سے سیر
دنیا کو ہیچ پوچ سراپا سمجھتے ہیں
دریا دلی سے بحر کو قطرہ سمجھتے ہیں

ساونت ۔ بہادر
بردبار ۔ صابر
فلک مرتبت ۔ بلند درجے
عالی منش ۔ بلند شخصیت
گرداں دہر ۔ وقت الٹ جانا
سبا ۔ محفل ، مجلس
ہیچ پوچ ۔ بیہودہ ، فضول
وغا ۔ جنگ

یہ بند میر انیس کے مرثیے سے لیا گیا ہے ۔ اس میں میر انیس لکھتے ہیں کہ امام حسینؑ کے ساتھی اتنے بہادر اور بہت صبر کرنے والے ہیں اور اتنے دلیر ہیں کہ آسمان کو چھو رہے ہیں ۔ اُنکی دلیری اور اُنکا درجہ اور مرتبہ اتنا بلند ہے کہ جیسے سبا میں جناب سلیمان کا تھا ۔ اور جنگ میں وہ ایک بادشاہ یعنی بہت ہی بہادر ہیں اُن کے سامنے

کوئی بھی نہیں ٹک سکتا۔ وہ اتنے بہادر ہیں کہ اگر چاہیں تو وقت کا بھی تختہ پلٹ کر رکھ دیں، اور سب کو بھی ہرا دیں لیکن وہ خدا کی مرضی کے ساتھ چل رہے ہیں۔ وہ تین دن کے بھوکے اور پیاسے ہیں لیکن ان کو اپنی زندگی سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ ان کے آگے ہے اور وہ دنیا داری اور اس عارضی دنیا کو کچھ بھی نہیں سمجھتے کیونکہ ان کو آخرت کا سارا علم ہے اور دریا دل اور رحم دل اتنے ہیں کہ اپنا سب کچھ قربان کر سکتے ہیں۔ ان کے سامنے سمندر بھی ایک قطرے کے برابر ہے۔

15

قصیدہ

قصیدہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی مغز غلیظ یا گاڑھا گودا۔ ایک خیال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ قصیدہ لفظ قصد سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں پکا ارادہ۔ قصیدہ اس مسلسل نظم کو کہا جاتا ہے جس میں پہلے شعر میں دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔ اور باقی اشعار کے دوسرے مصرعے ہم قافیہ یا ہم ردیف ہوتے ہیں۔ قصیدہ میں کسی کی اچھائی یا برائی بیان کی جاتی ہے۔ لیکن زیادہ تر قصیدے کسی کی تعریف میں ہی لکھے گئے ہیں۔ قصیدے میں ردیف کا ہونا ضروری نہیں ہوتا ہے۔ قصیدے کے پہلے شعر کو مطلع کہا جاتا ہے۔ لیکن قصیدے کے درمیان میں بھی مطلع آ سکتا ہے۔ قصیدے میں یہ ضروری نہیں ہے کہ مقطع قصیدے کے آخر میں ہو۔ قصیدے کے بیچ میں بھی شاعر جہاں چاہے مقطع لکھ سکتا ہے۔ قصیدے میں کم سے کم 21 اشعار ہوتے ہیں۔ اور زیادہ کی کوئی قید نہیں۔ قصیدے کی دو قسمیں ہیں:-

① خطابیہ قصیدہ ② تمہیدیہ قصیدہ

① خطابیہ قصیدہ:- خطابیہ قصیدہ وہ ہوتا ہے جس میں شاعر تمہید کے بغیر کسی کی اچھائی یا برائی کو بیان کرنا شروع کر دیں۔

② تمہید یہ قصیدہ :- تمہید یہ قصیدے میں تمہید کے بعد ہی شاعر اصل موضوع میں آتا ہے۔

⑤ قصیدہ کے اجزائے ترکیبی

① تشبیب :- تشبیب میں وہ اشعار لکھے جاتا ہے جو قصیدے کے شروع میں تمہید کے طور پر ہوتے ہیں۔

② گریز :- گریز ایسے اشعار ہوتے ہیں جو تمہید اور مدح کو جوڑنے کیلئے لکھے جاتے ہیں۔

③ مدح :- اس میں شاعر جس کیلئے قصیدہ لکھ رہا ہوتا ہے اُس کی شخصیت پر اور اُس کی تعریف میں اشعار لکھتا ہے۔

④ مدعا :- اس جز میں شاعر وقت کے بادشاہ سے اپنا مدعا یا مقصد بیان کرتا ہے کہ وہ اپنے قصیدہ کے بدلے میں بادشاہ سے کیا چاہتا ہے۔

⑤ دعا :- اس جز میں شاعر وقت کے بادشاہ یا جس کیلئے قصیدہ لکھا ہوتا ہے اُس کی صحت کیلئے اور لمبی عمر کیلئے خدا سے دعا کرتا ہے۔

اردو زبان میں قصیدہ عربی زبان سے اور پھر فارسی زبان سے ہوتے ہوئے پہونچا اردو کی دوسری قدیم اصناف کی طرح قصیدہ کی شروعات بھی دکن سے ہوئی اور اردو کا پہلا قصیدہ نگار شاعر قلی قطب شاہ

ہے۔ جس نے 12 قصیدے لکھے تھے۔ لیکن قصیدے کی باقاعدہ شروعات سودا نے کی۔ سودا کے دور میں میر تقی میر، میر غلام حسین، قائم چاند پوری نے بھی قصیدے لکھے۔ ان کے بعد ذوق، غالب، اور مومن وغیرہ نے بھی قصیدے لکھ کر شہرت حاصل کی۔

12

(غالب کا قصیدہ)

یہ قصیدہ غالب نے اُس وقت کے بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی شان میں لکھا تھا۔ اس قصیدے میں شاعر چاند سے مخاطب ہو کر کہہ رہے ہیں کہ اے نئے چاند ذرہ ہم بھی تو اس کا نام سنے جس کو تو جھک کے سلام کر رہا ہے۔ دو دن تک صبح کے وقت نظر آیا تھا پہلے تیرا نظر آنے کا انداز اور رنگ و روپ بھی پورا نا تھا۔ دو دن تک تو کہاں غائب رہا ہے۔ مجھ یہ معلوم ہے کہ مہینوں کی گردش سے تو کچھ دن کیلئے غائب ہو جاتا ہے۔ جب تو غائب ہوتا ہے تو تو کہاں جاتا ہے جب کہ آسمان میں ہر طرف تاروں میں ایک جال بچھا رکھا ہے۔ تین دن نہ آنے کے بدلے میں تو عید کا پیغام لے کر آیا ہے۔ اس لئے ہم کو تجھ سے کوئی شکایت نہیں کیونکہ اُس کو بھولا ہوا نہیں کہتے جو صبح گھر سے جائے اور شام کو گھر واپس آجائے۔

ایک میں ہی نہیں بلکہ سب لوگ تیرے آغاز اور تیرے انجام کو جانتے ہیں اس لئے اے چاند مجھ سے تو اپنے راز کیوں چھپاتا ہے مجھے کیا تو نے چغل خور سمجھ رکھا ہے میں کسی سے بھی تمہاری بات نہیں کہوں گا اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ کس کس جگہ سے انعام حاصل کیا جا سکتا ہے اس کے بعد غالب کہہ رہے ہیں کہ تو ایک غلام ہیں مگر میں نہیں ہوں سورج میں گرمی یا روشنی ہوگی لیکن تیرا بھی اپنا ایک راستہ ہے اور ایک مکان ہے تجھ کو روشنی سے کیا لینا دینا سب سے بڑی یہ بات ہے کہ تو عید کا پیغام

لے کر آتا ہے۔ تو چاند بن یا سورج بن مجھے تم سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ مجھے کون سا تو انعام دے دے گا میرا اپنا الگ معاملہ ہے مجھے کسی کے کام سے واسطہ نہیں ہے۔ تو ایک دن دیکھے گا میرے ہاتھ میں بھی ایک چمکتا ہوا جام ہوگا۔ وہ کون ہے جس کے در پر سب چاند سورج اور ستارے سجدہ کرتے ہیں اگر تجھے نہیں پتا تو مجھ سے سن اُس بادشاہ کا نام ہے بہادر شاہ ظفر ہے۔

(الرباعی)

رباعی کا ایک نام دو بیتی بھی ہے۔ بیت کا مطلب ہوتا ہے شعر اس لئے رباعی میں دو اشعار ہوتے ہیں جس کی وجہ سے رباعی کو دوبیتی بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی دو شعروں والی نظم رباعی ہے عربی زبان کے لفظ ربع سے نکلا ہے جس کا مطلب ہوتا ہے چار۔ رباعی میں مصرعوں کی تعداد چار ہوتی ہے اس لئے چار مصرعوں والی نظم کو رباعی کہتے ہیں۔ رباعی میں پہلا، دوسرا اور آخری یعنی چوتھا مصرعہ ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتا ہے۔
مثال کے طور پر امجد حیدرآبادی کی یہ رباعی دیکھیں

رتبہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے
وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے۔

رباعی میں بلند خیال پیش کیا جاتا ہے۔ اور اس کا بیان کرنے کا انداز بہت دلکش ہوتا ہے۔ رباعی میں آخری مصرعہ پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ رباعی قطعے سے مختلف ہوتی ہے۔ قطعے میں اشعار کی تعداد دو سے زیادہ ہو سکتی ہے۔ جب کے رباعی میں صرف دو ہی اشعار یعنی چار مصرعے ہوتے ہیں اور رباعی کو ایک ہی بحر میں لکھا جاتا ہے۔

(رباعی)

رباعی کی شروعات بھی باقی اردو اصناف کی طرح بہت پہلے ہو چکی تھی۔ 1700ء میں ایک مشہور دکنی شاعر میر عبدالقادر نے پہلی رباعی لکھی تھی۔ اس کے بعد بہت سارے بڑے بڑے شعراء نے بھی رباعیاں لکھی۔

مثال:- میر، درد، سودا، جرأت، انشا، مومن خاں مومن، میر حسن وغیرہ

2

رباعیات

10M

③

رتبہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے
وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے۔

فروتنی ← عاجزی ، مسکین
تہی مغز ← کم دماغ والے ، گھمنڈی
مغز ← دماغ
ثنا ← تعریف
ظرف - برتن
صدا - آواز
جا - جگہ

تشریح :- یہ رباعی امجد حیدرآبادی نے لکھی ہے اس میں شاعر کہہ رہے ہیں کہ اس دنیا میں کسی کو خدا کی طرف سے اگر کوئی عہدہ یا رتبہ ملتا ہے وہ شخص اگر سمجھ دار ہو تو وہ بہت ہی عاجزی کے ساتھ اپنی زندگی گزارتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ جو رتبہ مجھے خدا نے عطا کیا ہے وہ مجھ سے واپس بھی لے سکتا ہے اس کے برعکس وہ شخص جس کے پاس صرف گھمنڈ اور غرور ہو اور اگر اس کو کچھ مل جائے تو وہ بہت ہی غرور کرنے لگتا ہے اور اپنی تعریف خود کرتا ہے ایسے لوگوں کے پاس دماغ کم رہتا ہے ایسے لوگوں کی مثال اس خالی برتن جیسے ہیں جو صرف آواز دیتے ہیں بلکہ وہ کسی

کام کے نہیں ہوتے ہیں

(4)

ہر چیز مسبب سبب سے مانگو
منت سے خوشامد سے ادب سے مانگو
کیوں غیر کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہو
بندے ہو اگر رب کے تو رب سے مانگو

تشریح:- یہ رباعی امجد حیدر آبادی نے لکھی ہے۔ اس میں شاعر کہہ رہا ہے کہ اس دنیا میں اگر آپ کو کچھ چاہئیے تو ہمیں اُس سے مانگنا چاہئیے جس کی وجہ سے یہ دنیا اور آخرت ہے جس کے سبب سے ہمیں سب کچھ حاصل ہوتا ہے یعنی ایک ہمارا خدا ہی ہے جو ہم چاہئیے وہ دے دیتا ہے لیکن اُس سے مانگنے کا طریقہ یہ ہونا چاہئیے کہ آپنے آپ کو خدا کے آگے جھکا کر اُس سے منت کر کے اس کی خوش آمد کر کے مانگنا چاہئیے خدا کے علاوہ اس کے بندوں کو کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلانا چاہئیے اگر ہم خدا کے بندے ہیں تو صرف ہمیں جو بھی چاہئیے ہوتا ہے خدا سے ہی مانگنا ہے۔ اور بے شک وہ عطا کرنے والا ہے وہ ہماری مرادوں کو ضرور پورا کرتا ہے۔

(5)

تعریف کے میزان پہ تل جاتے ہیں
دو بوند خوشامد سے ہی گھل جاتے ہیں
مضبوط زبردست تجوری ہیں مگر
ہم لوگ غلط چابی سے کھل جاتے ہیں

میزان = ترازو

یہ رباعی ساغر جیبیری نے لکھی ہے۔ اس میں شاعر کہہ رہے ہیں کہ ہر شخص کو اپنی تعریف سننا بہت پسند ہے اگر کوئی شخص کسی کی تعریف یا خوش آمد کرتا ہے تو اُس کے پیچھے اُس کا کوئی نہ کوئی مطلب ضرور ہوتا ہے۔ تعریف کر کہ اور خوش آمد کر کہ کسی بھی انسان سے کوئی بھی کام کروایا جا سکتا ہے چاہے وہ کتنا بھی اصول پسند کیوں نہ ہو۔ یہ ایک ایسی چابی ہے جس سے مضبوط سے مضبوط تجوری بھی کھل جاتی ہے۔

(6) یہ رباعی ساغر صدیقی نے لکھی ہے۔ اس میں شاعر کہہ رہا ہے کہ اس کی زندگی میں کبھی کبھی کوئی ایسی چیز آجاتی ہے۔ جو اُس کی زندگی سے روشنی اور رونق چھین لیتی ہے۔ اور اُس کی زندگی میں اندھیروں کا طوفان آجاتا ہے۔ یہ ایسی چیز ہے۔ جو ایمان جیسی مضبوط شے کی جڑیں بھی ہلا دیتی ہیں اس چیز کا نام ہے۔ شہرت یا دولت یا عزت جب یہ چیزیں انسان کے پاس آجاتی ہیں تو انسان یہ بھول جاتا ہے کہ جس خدا نے ہمیں یہ چیزیں دیں ہیں وہی خدا یہ ہم سے واپس لے سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شہرت ایک اچھی اور رنگین چیز ہے۔ جو انسان کی زندگی میں طرح طرح کے رنگ بھر دیتی ہے۔ لیکن جو شخص دولت کے نشے میں غرور کرنے لگتا ہے۔ اور دولت کا نشا اُس کو اتنا چھو جاتا ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کو اپنے آگے کچھ بھی نہیں سمجھتے۔ مطلب یہ کہ انسان کو دولت یا شہرت کا نشا شیطان بھی بنا سکتا ہے۔

ط

6

میر حسن کی حالات زندگی پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

میر حسن کا نام میر غلام حسین تھا اور حسن تخلص رکھتے تھے۔ میر حسن 1737ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ میر حسن والد کا نام میر غلام حسین تھا۔ اور تخلص ضاحک لکھتے تھے ان کے والد بھی ایک مشہور شاعر تھے۔ میر حسن نے شاعری "میر ضیاء الدین" سے سیکھی تھی اور ان کی شاگردی اختیار کی تھی اس کے بعد انہوں نے اردو کے مشہور شاعر سودا سے بھی شاعری سیکھی میر حسن نواب آصف الدولہ کے دور میں لکھنؤ آئے تھے میر حسن کی شاعری زیادہ تر تصوف انہوں نے بہت سی غزلیں اور قصیدے بھی لکھے لیکن جس وجہ سے میر حسن سب سے زیادہ مشہور ہوئے وہ ان کی مثنوی سحر البیان تھی۔

مثنوی سحر البیان میں میر حسن نے بدر منیر اور بے نظیر کے عشق کی داستان پیش کی ہے میر حسن نے یہ مثنوی لکھ کر آصف الدولہ کی خدمت میں ایک قصیدے کے ساتھ پیش کی تھی اور بہت شہرت حاصل کی میر حسن کا انتقال 1786ء میں ہوا تھا۔

27